# Surah Nisa (Ayat 101-109)

## *Fi Zilaal Al Quran:*

101: وَاِذَا ضَرَبۡتُمۡ فِى الۡاَرۡضِ فَلَيۡسَ عَلَيۡكُمۡ جُنَاحٌ اَنۡ تَقۡصُرُوۡا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنۡ خِفۡتُمۡ اَنۡ يَّفۡتِنَكُمُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ؕ اِنَّ الۡكٰفِرِيۡنَ كَانُوۡا لَكُمۡ عَدُوًّا مُّبِيۡنًا ○

(آیت) " نمبر ۱۰۱۔

جو شخص مسافر ہو' اسے اپنے رب کے ساتھ دائمی تعلق کی ضرورت ہے' تاکہ اللہ اس پر سفر کی مشکلات میں آسانیاں پیدا کر دے۔ اس کی تیاریوں میں اس کی مدد ہو' سامان سفر فراہم ہو اور راستے کی مشکلات اللہ اس کے لیے آسان کر دے۔ نماز تعلق باللہ کا موثر ترین ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کی جانب سے مسلمانوں کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ وہ مشکلات اور تکالیف میں نماز سے امداد حاصل کریں۔ جب خوف کا مقام ہو اور جب زندگی کی مشقتوں کا سامنا ہو تو حکم ہے کہ نماز سے معاونت حاصل کرو۔ (آیت) " واستعنوا بالصبر والصلوۃ) (نماز اور صبر کے ذریعے اللہ کی (امداد طلب کرو

یہی وجہ ہے کہ سفر و جہاد کے اس موضوع کے متصلا بعد اللہ تعالیٰ نے نماز کا ذکر کیا۔ ایسے حالات میں نماز ایک مومن کا نہایت ضروری ہتھیار ہوتی ہے۔ اگر کسی کو راستے میں خوف اور خطرے کے حالات درپیش ہوں تو ایسے حالات میں اسے صرف اللہ کی یاد سے اطمینان ہوتا ہے ۔ جو شخص اپنے ملک کو چھوڑتا ہے اس کے لیے اللہ کی درگاہ میں پہنچ جانا ہی باعث اطمینان ہوتا ہے۔ ہاں یہ بات اپنی جگہ ہے کہ کامل نماز اور پورے رکوع اور سجود کے ساتھ نماز کی وجہ سے کبھی ہو سکتا ہے کہ ایک مومن پر دشمن حملہ آور ہو جائیں جو کہیں قریب ہی چھپے ہوں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دشمن اسے پہچان لیں۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ طویل رکوع اور سجود میں اسے پکڑ لیں' چنانچہ جو لوگ جہاد کے لیے نکلیں ان کے لیے جائز ہے کہ وہ خوف کے وقت نماز کو مختصر کر دیں۔

یہاں قصر کے مفہوم اور تفسیر میں ہم اسی بات کو ترجیح دیتے ہیں جسے جصاص نے لیا ہے کہ اس قصر سے مراد رکعات میں قصر نہیں ہے اس لیے کہ یہ تو مطلق مسافر کے لیے جائز ہے خواہ حالت خوف ہو یا نہ ہو' بلکہ سفر میں تو قصر لازمی ہے۔ جس طرح حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے قصر فرمائی اور ہر سفر میں فرمائی اس لیے کہ سفر میں راجح اقوال کے مطابق پوری رکعات پڑھنا جائز ہی نہیں ہے۔

لہٰذا یہاں حالت خوف میں قصر سے مراد بالکل دوسری ہو گی اور یہ قصر مسافر کی قصر سے مختلف ہو گی۔ یہ قصر نماز کی کیفیت میں ہو گی مثلاً رکوع' سجود اور قیام میں نہایت ہی سکون سے یہ ارکان سرانجام دینے میں قصر ہو گی۔ یوں حالت خوف میں مسافر کے لیے چلتے ہوئے' سواری کی حالت میں اور صرف اشارے سے بھی نماز جائز ہو گی اور اس طرح وہ اپنے رب کے ساتھ جڑا ہوا رہے گا۔ حالت خوف اور حالت فتنہ میں بھی وہ اس ضروری ہتھیار سے مسلح ہو گا اور دشمن کے مقابلے میں محتاج بھی ہو گا اس لیے کہ

(آیت) "ان الکفرین کانوا لکم عدوا مبینا"۔ (۴ : ۱۰۱) (بے شک کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں)

مسافر اور مجاہد کی نماز میں حالت خوف میں قصر کے حکم کے بعد اور اسی مناسبت سے معرکہ کارزار میں اب صلوۃ الخوف کا حکم بھی یہاں دیا جاتا ہے۔ اس خالص فقہی حکم کے اندر بھی نفسیاتی اور تربیتی اشارات کا وافر ذخیرہ دستیاب اور موجود ہے۔

102-103: وَإِذَا كُنتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُم مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوٓا أَسْلِحَتَهُمْ ۖ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِن وَرَآئِكُمْ ۖ وَلْتَأْتِ طَآئِفَةٌ أُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُم مَّيْلَةً وَٰحِدَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِن كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّن مَّطَرٍ أَوْ كُنتُم مَّرْضٰٓى أَن تَضَعُوٓا أَسْلِحَتَكُمْ ۖ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْكٰفِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ○ فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللَّهَ قِيَٰمًا وَقُعُودًا وَعَلٰى جُنُوبِكُمْ ۚ فَإِذَا اطْمَأْنَنتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ ۚ إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتٰبًا مَّوْقُوتًا ○

(آیت) " نمبر ۱۰۲ تا ۱۰۳۔

جو شخص قرآن کے اسرار و رموز پر غور کرتا ہے اور جو شخص ربانی منہاج تربیت میں فکر کرتا ہے خصوصاً اس سبق پر تو اس پر عجیب اسرار و رموز کا انکشاف ہوتا ہے۔ اس سبق کے اندر ایسے لمحات فکر و احساس آتے ہیں جن کا اثر انسان کی روح کی گہرائیوں تک جا اترتا ہے۔ ذرا میدان معرکہ کی ایک جھلکی ملاحظہ فرمائیں :

قرآن کریم کی یہ آیت محض ایک فقہی اور قانونی مسئلہ نہیں بیان کرتی کہ صلوۃ الخوف اس طرح ہو گی اس کے اندر تعلیم و تربیت کا بیشمار سامان ہے جس کے ذریعے ایک انقلابی جماعت کی اخلاقی تربیت ہوتی ہے اور ساتھ ساتھ اسے انقلابی عمل سے بھی آگاہ کیا جاتا ہے۔

آیت سے جو پہلی بات معلوم ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ اسلام میں نماز کی اس قدر اہمیت ہے کہ میدان کارزار کے اندر بھی نماز کو نہیں چھوڑا جاتا اور یہ بات ایمانی نقطہ نظر سے بالکل واضح ہے کہ نماز میدان کارزار کے اندر ایک بہترین ہتھیار ہے بلکہ یہ سب ہتھیاروں سے زیادہ اہم ہے اور ہر معرکے کے اندر اس ہتھیار سے فائدہ اٹھانا بہت ہی ضروری ہے۔ اس معرکے کے مزاج اور اس کی فضا کے ساتھ نماز کا گہرا تعلق ہے۔

یہ ابتدائی دور کے اسلامی دستے جن کی تربیت ربانی اور قرآنی منہاج کے ساتھ کی گئی تھی' وہ اپنے دشمن کا مقابلہ اس اسلحہ کے ساتھ کرتے تھے جس میں وہ دشمن پر فوقیت رکھتے تھے۔ وہ اپنے دشمنوں پر یہ فوقیت رکھتے تھے کہ وہ صرف ایک الہ وحدہ لاشریک کو مانتے تھے۔ انھوں نے اپنے رب کو اچھی طرح پہچان لیا تھا اور ان کو یہ احساس پوری طرح حاصل ہوتا تھا کہ ان کا وہ الہ پوری طرح ان کے ساتھ شریک جنگ ہے۔ وہ مقصدیت کے اعتبار سے بھی دشمن پر فوقیت رکھتے تھے۔ ان کا نصب العین بلند تھا اور وہ بھی اسے سب سے اونچا ہدف سمجھتے تھے۔ ان کا تصور کائنات' تصور حیات اور تصور غایت وجود انسانی ہر دشمن کے مقابلے میں بلند تھا۔ اس برتر نظام زندگی کے تحت ان کی جو تنظیم وجود میں آئی تھی اس میں بھی وہ دشمن کے مقابلے میں برتر تھے۔ میدان جگن میں نماز ان تمام برتریوں کا اشارہ تھی اور ہر وقت ان کو یہ سبق اور شعور یاد دلاتی تھی کہ وہ برتر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نماز میدان کارزار میں ان کے لیے ایک اعلیٰ ترین اسلحہ تھی بلکہ ان کا انحصار ہی اس اسلحہ پر تھا۔

دوسری بات جو ان آیات کے ضمن میں نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ اہل ایمان روحانی طور پر تیار اور بیدار ہیں اور دشمن کے مقابلے میں کھڑے ہیں۔ دشمن بھی گھات میں بیٹھا ہے اور اہل ایمان کی طرف سے غفلت کی ایک مختصر سی گھڑی کے انتظار میں ہے کہ ذرا وہ غافل ہو اور وہ ان کا اسلحہ اور ساز و سامان سب پر قبضہ کر کے اچانک حملہ آور ہو جائے۔ اس تنبیہ ڈراوے اور ثابت قدمی اور اطمینان کی تلقین کے ساتھ ہی بتایا جاتا ہے کہ جن لوگوں سے تمہارا مقابلہ ہے ان کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک توہین آمیز عذاب تیار کر رکھا ہے۔ ایک طرف سے سخت حکم ہے کہ حالت بیداری اور تیاری میں رہو اور دوسری طرف یہ یقین دہانی ہے کہ مطمئن رہو' ایک طرف سخت حساس اور چوکنا رہنے کی ہدایت اور دوسری جانب سے پورا اطمینان۔ یہ ہے وہ منہاج جس کے مطابق اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو تربیت دیتے ہیں اس لیے کہ دشمن سخت مکار ہے اور وہ اوچھے ہتھکنڈے اختیار کر سکتا ہے۔

صلوۃ الخوف کی کیفیت میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ یہ مسائل انھوں نے اسی آیت سے لیے ہیں۔ ہم صرف عام کیفیت بیان کریں گے اور فقہی تفصیلات میں نہیں جائیں گے۔

(آیت) " واذا کنت فیھم فاقمت لھم الصلوۃ فلتقم طائفۃ منھم معک ولیاخذوا اسلحتھم فاذا سجدوا فلیکونوا من ورآءکم ولیات طائفۃ اخری لم یصلوا فلیصلوا معک ولیاخذوا حذرھم اسلحتھم "۔ (۴ : ۱۰۲)

اور اے نبی' جب تم مسلمانوں کے درمیان ہو اور (حالت جنگ میں) انھیں نماز پڑھانے کھڑے ہو تو چاہیے کہ ان میں سے ایک گروہ) تمہارے ساتھ کھڑا ہو اور اپنے اسلحہ لیے رہے' پھر جب وہ سجدہ کرلے تو پیچھے چلا جائے اور دوسرا گروہ جس نے ابھی نماز نہیں پڑھی ہے آکر (تمہارے ساتھ نماز پڑھے اور وہ بھی چوکنا رہے اور اپنے اسلحہ لیے رہے

مطلب یہ ہے کہ آپ موجود ہوں اور ان کے لیے امامت کر رہے ہوں تو ان میں سے ایک فریق آپ کے پیچھے پہلی رکعت پڑھ لے اور دوسرا فریق اسلحہ لے کر چوکیداری کرے اور جب پہلا فریق رکعت پڑھ لے تو پھر وہ چلا جائے اور چوکیداری پر بمعہ اسلحہ کھڑا ہو جائے اور دوسرا آجائے اور وہ آپ کے پیچھے ایک رکعت پڑھ لے۔ اس طرح آپ کی نماز تمام ہو جائے گی اور آپ سلام پھیر لیں گے۔

اس کے بعد پہلا فریق آئے گا اور اس کی جو ایک رکعت رہتی ہے وہ پڑھ لے گا اور چلا جائے گا۔ یہ ایک رکعت اکیلی ہو گی' پھر یہ فریق جائے' چوکیداری پر کھڑا ہو اور دوسرا فریق آئے اور اس کی جو ایک رکعت رہ گئی ہو پڑھے جبکہ پہلا فریق چوکیداری کرے۔

اس طرح دونوں فریق امام کے ساتھ نماز پڑھ لیں گے' رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی امامت میں اور آپ کے بعد جو خلفاء اور امراء آئیں گے ان کیلئے بھی یہی حکم ہے۔

(آیت) " ودالذین کفروا لو تغفلون عن اسلحتکم وامتعتکم فیملون علیکم میلۃ واحدۃ (۴ : ۱۰۲) (کیونکہ کفار اس تاک میں ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان کی طرف سے ذرا غافل ہو تو وہ تم پر یکبارگی ٹوٹ پڑیں)

کفار کی جانب سے مومنوں کے خلاف یہ ایسی خواہش ہے جو ہمیشہ ان کے دلوں میں پائی جاتی ہے۔ ماہ وسال گزر رہے ہیں' صدیاں بیت گئی ہیں اور آج بھی کفار کی خواہش یہی ہے' یہ ہے وہ حقیقت جو اللہ تعالیٰ نے پہلی جماعت مومنہ کے دل میں بٹھائی تھی اور آج بھی اسی کی تاکید ہو رہی ہے۔ یہ درست ہے کہ اللہ اس وقت ان لوگوں کے لیے جنگی اسکیم تیار فرماتا تھا لیکن صلوۃ الخوف میں' جس طرح کہ ہم نے سمجھا' ہمارے لیے بھی جنگی اسکیم موجود ہے۔

یہ احتیاط اور یہ نفساتی تیاری اور یہ مسلسل ہتھیار بند رہنا ہر وقت لازمی نہیں ہے' نہ مناسب ہے کہ مسلمانوں کو محض مشقت میں ڈالنے کے لیے دائمی حکم دیا جائے لیکن جس قدر ان سے ہو سکے وہ ایسا کریں۔

(آیت) "ولا جناح علیکم ان کان بکم اذی من مطراو کنتم مرضی ان تضعوا اسلحتکم"۔ (۴ : ۱۰۲)

(البتہ اگر تم بارش کی وجہ سے تکلیف محسوس کرو یا بیمار ہو تو اسلحہ رکھ دینے میں مضائقہ نہیں) ایسے حالات میں اسلحہ اٹھانا مشکل ہوتا ہے' اور مفید بھی نہیں ہوتا۔ محض احتیاط ہی کافی ہوتی ہے۔ اور اللہ کی مدد پر بھرپور اعتماد۔

(آیت) "وخذوا حذرکم ان اللہ اعد للکفرین عذابا مھینا) (۴ : ۱۰۲) (مگر پھر بھی چوکنے رہو یقین رکھو کہ اللہ نے کافروں کے لیے رسوا کن عذاب مہیا کر رکھا ہے) ممکن ہے کہ یہی احتیاط یہی بیداری اور یہی پاسداری اہل کفر کے عذاب کا وسیلہ بن جائے' جو اللہ نے ان کے لیے تیار کیا ہے اور سخت توہین آمیز ہے اس طرح اہل ایمان اللہ کی قدرت کا ذریعہ بن جائیں اور اللہ کی مشیت ان کے ذریعے پوری ہو۔ مذکورہ بالا احتیاط کے ساتھ ساتھ یہ اہل ایمان کے لیے مژدہ اطمینان ہے۔ اس لیے کہ اہل ایمان کو پورا یقین تھا کہ دشمنان اسلام کے خلاف اللہ ان کا مددگار ہے اور دشمنان اسلام کے لیے توہین آمیز عذاب مقدر ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ وہی دست قدرت ہوں۔

(آیت) "فاذا قضیتم الصلوۃ فاذکروا اللہ قیما و قعودا و علی جنوبکم فاذا اطمانتم فاقیموا الصلوۃ ان الصلوۃ کانت علی المومنین کتبا موقاتا"۔ (۴ : ۱۰۳)

پھر جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے رہو اور جب اطمینان نصیب ہو جائے تو پوری نماز پڑھو۔)

(نماز درحقیقت ایسا فرض ہے جو پابندی وقت کے ساتھ ایمان پر لازم کیا گیا ہے

حکم دیا جاتا ہے کہ ہر حال میں دلوں کو اللہ کے ساتھ جوڑے رکھو' نماز میں بھی اور نماز کے باہر رہتے ہوئے بھی اس لیے کہ تعلق باللہ سب سے بڑی جنگی تیاری ہے اور وہ ہتھیار ہے جو کبھی زنگ آلود نہیں ہوتا۔

اطمینان اور امن کے وقت حکم یہ ہے کہ نماز پوری کی پوری بمع جملہ ارکان اطمینان کے ساتھ ادا کرو اور اس میں قصر نہ کرو جیسا کہ کہا گیا اس لیے کہ قصر کی رخصت کچھ حالات کے تحت تھی۔ اس لیے کہ نماز ایک ایسا فریضہ ہے جسے مقررہ وقت پر ادا کرنا لازمی ہے اور جب حالت خوف نہ رہے تو اس کی ادائیگی اسی طرح ہو گی جس طرح عام طور پر ہوتی ہے۔

نماز درحقیقت ایسا فرض ہے جو پابندی وقت کے ساتھ اہل ایمان پر لازم کیا گیا ہے" کے الفاظ سے ظاہریہ نے یہ استدلال کیا ہے کہ اگر نماز " قضا ہو جائے تو پھر اس کی ادائیگی نہیں ہو سکتی۔ اس نے نزدیک قضا نماز پڑھنے سے فرض ادا نہیں ہوتا۔ وہ کہتے ہیں فرض نماز وقت مقررہ کے بعد نہیں ہوتی۔ اگر وقت چلا جائے تو پھر نماز پڑھنے اور ادا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ جمہور علماء کی رائے یہ ہے کہ ادا ہو جاتی ہے۔

ہاں قضا کی ادائیگی بہت جلدی ہونا چاہیے اور خواہ مخواہ تاخیر کرنا مناسب نہیں ہے۔ اس کے علاوہ مزید فروعی اختلافا میں ہم داخل اندازی نہیں کرتے۔

اب اس سبق کا خاتمہ قریب ہے۔ حکم دیا جاتا ہے کہ جہاد کا عمل جاری رکھو' اگرچہ تمہیں رنج والم کا سامنا کرنا پڑے اور وہ تمہارے لیے مشقت اور تھکاوٹ کا باعث ہو۔ ایک ایسا تیز احساس دلایا جاتا ہے اور اس قدر تیز جھٹکا دیا جاتا ہے کہ یہ احساس دلوں تک اتر جاتا ہے اور یہ احساس دلوں کی گہرائیوں تک اتر کر انسانی ضمیر کو روشن کرتا ہے اور اسی روشنی میں مقاصد اور رجحانات اور نصب العین متعین ہوتے ہیں۔

104: وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۖ إِن تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ ۖ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝

(آیت) " نمبر ۱۰۴۔

یہ معدودے چند الفاظ ہیں' جن میں دو ٹوک اور واضح خطوط کھینچ دیے گئے ہیں' یہ بتاتے ہیں کہ ایک مومن کی راہ کس قدر طویل اور پر مشقت ہے۔ مومنین ہمیشہ چکی کے دو پاٹوں کے درمیان ہوتے ہیں۔ بیشک اس دائمی معرکے میں وہ رنج والم اور گہرے زخم پاتے ہیں لیکن وہ یہ سوچیں کہ کیا یہ تکالیف صرف ان پر ہی آئی ہیں یا دشمنوں کو بھی انھیں جیس تکالیف سے سابقہ درپیش ہے۔ دشمن بھی تو رنج والم سے دوچار ہوتے ہیں۔ انھیں بھی تو زخم آتے ہیں۔ لیکن تم دونوں میں فرق یہ ہے کہ اہل ایمان تو اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں اور اللہ سے شاندار جزا کے امیدوار ہیں اور ان کے دشمنوں کی حالت یہ ہے کہ وہ بے مقصد اور بے فائدہ جنگ لڑ رہے ہیں' وہ اللہ کے سامنے تو کچھ لے کر جانے والے نہیں' نہ انھیں اس دنیا میں اللہ کی جانب سے کوئی امید ہے اور نہ آخرت میں کوئی توقع ہے۔۔ پس اگر کفار اس معرکے پر مصر ہیں تو مسلمانوں کے لیے تو مناسب ہے کہ وہ اس سے زیادہ اصرار کریں۔ اگر کفار اس معرکے میں گہرے زخم برداشت کرتے ہیں تو اہل اسلام کو چاہیے کہ وہ ان سے زیادہ زخم کھاتے جائیں اور صبر کریں۔ اور ان کو چاہیے کہ وہ ان اہل کفار کا پیچھا کریں' جہاد و قتال جاری رکھیں اور انھیں اس حالت تک پہنچا دیں کہ ان کی قوت ٹوٹ جائے اور وہ کسی مسلمان کے دین اور جان ومال کے لیے فتنہ نہ رہیں۔

ہر جدوجہد میں نظریہ حیات برتر رہتا ہے بعض ایسے لمحات بھی آتے ہیں کہ مصائب انسان کی قوت برداشت سے بڑھ جاتے ہیں۔ درد ناقابل برداشت ہوتا ہے۔ ایسے حالات میں مومن کو خاص زاد وعتاد کی ضرورت ہوتی ہے۔ جس کا فیضان سرچشمہ ایمان اور نظریہ سے ہوتا ہے اور یہ اللہ کی یاد ہوتی ہے جو ہر زخم کے لیے بہتر مرہم ہوتی ہے۔

یہ ہدایات ' اس وقت ایک متوازن اور برابری کی جنگ کے اندر دی جارہی تھیں۔ اس میں فریقین برسرپیکار تھے دونوں کا رنج والم سے سابقہ تھا اور دونوں اسلحہ بند تھے۔۔ لیکن اہل ایمان پر ایسا وقت بھی آسکتا ہے جس میں معرکہ متوازن نہ ہو ' کھلی جنگ نہ ہو رہی ہو ' ایسے حالات میں بھی یہی اصول ہے۔ باطل اہل اسلام کو کبھی بھی برداشت نہیں کرتا اگرچہ باطل غالب ہو اور اسلامی عقیدہ مغلوب ہو اس لیے کہ باطل کے اندر ایک تضاد پایا جاتا ہے۔ اس داخلی تضاد کی وجہ سے وہ بے چین ہوتا ہے۔ وہ خود اپنے اندرون کی کشمکش سے دوچار ہوتا ہے پھر وہ فطرت انسانی اور فطرت اشیاء کے ساتھ بھی برسرپیکار ہوتا ہے۔

گروہ مومن کی راہ ایسے حالات میں بھی یہی ہے کہ وہ برداشت کرے اور ہمت نہ ہارے۔ اسے یہ حقیقت پیش نظر رکھنا چاہیے کہ اگرچہ وہ مصائب کا شکار ہے لیکن اس کا دشمن اندرونی تضاد کے روگ کا بیمار ہے۔ روگ کی بھی تو قسمیں ہیں دلی چر کے بدن کے زخموں سے زیادہ گہرے ہوتے ہیں اور دشمن کو ایسے زخم آتے ہیں جو بظاہر نظر نہیں آتے۔ (آیت) " وترجون من اللہ مالا یرجون ' (۴ : ۱۰۴) (اور تم اللہ سے اس چیز کے امیدوار ہو جس کے وہ امیدوار نہیں) اور یہ وہ مرہم ہے جو دشمن کو میسر نہیں ہے یہی وہ مقام ہے جہاں سے دونوں فریقوں کی راہیں جدا ہوتی ہیں اور اس بات کو اچھی طرح اللہ جانتا ہے۔ (آیت) " وکان اللہ علیما حکیما "۔ (۴ : ۱۰۴) اللہ کو معلوم ہے کہ دلوں اور جذبوں کا مداوا کیا ہے اور ان کے ساتھ ڈیلنگ کس طرح ہوتی ہے اور دلوں کے زخموں کا علاج کیا ہے ' روح کی مرہم کیا ہے ؟ جس سے اہل کفر بے خبر اور محروم ہیں۔

105-109: اِنَّآ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكَ الۡكِتٰبَ بِالۡحَقِّ لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ وَلَا تَكُنۡ لِّلۡخَآئِنِيۡنَ خَصِيۡمًا ۙ وَّاسۡتَغۡفِرِ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوۡرًا رَّحِيۡمًا ۚ وَلَا تُجَادِلۡ عَنِ الَّذِيۡنَ يَخۡتَانُوۡنَ اَنۡفُسَهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنۡ كَانَ خَوَّانًا اَثِيۡمًا ۙ يَّسۡتَخۡفُوۡنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسۡتَخۡفُوۡنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمۡ اِذۡ يُبَيِّتُوۡنَ مَا لَا يَرۡضٰى مِنَ الۡقَوۡلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ مُحِيۡطًا ۙ هٰۤاَنۡتُمۡ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلۡتُمۡ عَنۡهُمۡ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ۫ فَمَنۡ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنۡهُمۡ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ اَمۡ مَّنۡ يَّكُوۡنُ عَلَيۡهِمۡ وَكِيۡلًا ۙ

: درس نمبر ۳۹ ایک نظر میں

ان آیات میں ایک ایسی کہانی کی طرف اشارہ ہے جس کی کوئی مثال اس کرہ ارض پر نہیں ملتی بلکہ انسانیت کی تاریخ میں اس کے ساتھ ملتی جلتی کوئی مثال نہیں ہے۔ یہ مثال بھی شاہد عادل ہے کہ یہ دین من جانب اللہ ہے اور لازماً من جانب اللہ ہے۔ اس لیے کہ انسانوں کا تصور انصاف اور عدالت جس قدر بھی بلند ہو' ان کی روح جس قدر بھی صاف ہو جائے اور ان کا مزاج جس قدر بھی صراط مستقیم پر قائم ہو وہ اپنے آپ کو اس مقام بلند تک نہیں پہنچا سکتے' جس کی طرف ان آیات میں اشارہ کیا گیا ہے۔ یہ کام صرف وحی الٰہی کے ذریعے ہی ممکن ہے۔ انسانی تاریخ کے افق پر کھینچا جانے والا یہ گراف اس قدر اونچا ہے کہ اس مقام تک انسانیت صرف اسلامی نظام زندگی کے زیر سایہ ہی پہنچ سکی اور آئندہ بھی یہ سربلندی صرف اسلامی نظام ہی کے زیر سایہ نصیب ہو سکتی ہے۔

یہ واقعہ اس وقت ہوا جب مدینہ کے یہودی اسلام اور مسلمانوں کے خلاف وہ تمام زہریلے تیر اور ہتھیار استعمال کر رہے تھے جو ان کے ترکش میں موجود تھے اور جس کی تفصیلات اس سورۃ' سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران میں بیان ہو چکی ہیں۔ حالات ایسے تھے کہ یہودی اسلام کے خلاف ہر قسم کا جھوٹا پراپیگنڈا کر رہے تھے۔ وہ مشرکین کا ایک محاذ اسلام خلاف بنا رہے تھے اور مشرکین کی حوصلہ افزائی کرتے تھے۔ ان کے لیے راہ ہموار کرتے تھے' پروپیگنڈے میں جھوٹی خبریں اڑاتے تھے' لوگوں کے ذہنوں کو خراب کرتے تھے۔ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی قیادت کی توہین کرتے تھے' وحی اور رسالت میں شکوک پیدا کرتے تھے۔ وہ اسلامی معاشرے میں اندر سے انتشار پیدا کرنے کی کوشش بھی کرتے تھے اور رات دن اس کام میں لگے ہوئے تھے کہ اسلام کے دشمنوں کو جمع کر کے مسلمانوں پر حملہ کرا دیں۔ تحریک اسلامی مدینہ میں بالکل نئی تھی' اور انسانوں کے نفوس کے اندر ابھی تک جاہلیت کے آثار موجود تھے۔ بعض مسلمانوں اور یہودیوں اور مشرکوں کے درمیان ابھی تک رشتہ داری اور دوسرے روابط بھی قائم تھے اور یہ تمام امور صفوں کے لیے خطرے کا باعث تھے۔

ایسے مشکل' خطرناک' اور ہنگامی حالات میں یہ آیات نازل ہوئیں اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور مسلمانوں کو یہ سخت ہدایات دی گئیں۔ مقصد یہ مقصد یہ تھا کہ ایک یہودی ملزم کے ساتھ انصاف کرو' اس پر چوری کا الزام جھوٹا ہے اور جن لوگوں نے جھوٹا الزام لگایا ہے

ان کا فرض ہے کہ وہ اس کی تلافی کریں۔ یہ مدینہ کے انصار کا ایک گھرانا تھا۔ انصار ان دونوں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا سرمایہ تھا' جو ان تمام یہودی سازشوں کے مقابلے میں آپ کے حامی ومددگار تھے اور آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رسالت اور دین کے معاون تھے۔

رواداری' سربلندی اور عدل وانصاف کا یہ کس قدر اونچا معیار ہے۔ اس کی تعریف وتوصیف کے لیے تو الفاظ نہیں ملتے۔ تمام باتیں' تمام تبصرے اور تمام تشریحات اس معیار اور سطح سے نیچے رہ جاتی ہیں۔ اس سطح اور معیار تک انسانی طاقتیں اپنی کوشش نہیں پہنچ سکتیں' صرف انسان یہ معجزہ نہیں دکھا سکتے' یہ تو اسلامی منہاج کی قیادت اور رہنمائی ہے جو کسی انسان کو اس مقام بلند تک پہنچا سکتی ہے۔

وہ کہانی جو ان آیات کے پس منظر کے سلسلے میں بیان ہوئی اور جسے متعدد مصادر نے نقل کیا ہے' مناسب ہے کہ انصار سے سنی جائے۔ قتادہ ابن النعمان اور ان کے چچا رفاعہ دونوں نے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ بعض غزوات میں جنگ فرمائی۔ ان میں سے ایک کی زرہ گم ہوگئی (رفاعہ کی) عام طور پر انصار کے ایک خاندان بنو ابیرق کے ایک شخص کے بارے میں یہ شبہ ہونے لگا کہ اس نے یہ زرہ چوری کی ہے۔ مالک نے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس یہ رپورٹ درج کرائی کہ طعمہ ابن ابیرق نے میری زرہ چرائی ہے۔ بعض روایات میں بشیر ابن ابیرق کا نام آتا ہے۔ اس کے بارے میں یہ بھی مشہور تھا کہ وہ صحابہ کرام کی ہجو میں اشعار لکھتا اور مشہور کرتا کہ یہ فلاں عرب شاعر کے ہیں۔ جب چور کو معلوم ہوا کہ اس کے خلاف رپورٹ ہو چکی ہے تو اس نے جلدی سے یہ زرہ ایک یہودی زید ابن سمین کے گھر پھینک دی اور اپنے خاندان کے بعض لوگوں سے کہا کہ میں نے زرہ غائب کر دی ہے اور فلاں کے گھر میں پھینک دی ہے اور یہ جلد ہی اس کے گھر سے برآمد ہوگی۔ تم رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس جاؤ اور یہ کہو کہ ہمارے بھائی تو بے گناہ ہیں اور فلاں شخص چور ہے اور ہم نے۔۔ اس سلسلے میں معلومات جمع کر لی ہیں۔ آپ برسر عام ہمارے آدمی کی برات فرمائیں اور اس کی صفائی فرمائی دیں اس لیے کہ اگر اسے آپ کے ذریعے اللہ نے باعزت طور پر بری نہ کیا تو اس کی عزت خاک میں مل جائے گی۔

جب حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو معلوم ہوا کہ فی الواقعہ زرہ یہودی کے گھر سے برآمد ہوگئی ہے تو آپ نے مجمع میں اعلان کر دیا کہ ابن ابیرق بے گناہ ہے' اس لیے کہ اس کے خاندان نے حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے درخواست کی تھی کہ قتادہ ابن النعمان اور ان کے چچا ہمارے ایک مسلمان خاندان کے گھر آئے اور اسے چوری کا ملزم بنا دیا اور یہ کام انھوں نے بغیر کسی ثبوت اور شہادت کے کیا۔ قتادہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آیا۔ میں نے آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے بات کی تو آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا: "تم نے جان بوجھ کر ایک ایسے خاندان کے خلاف چوری کا الزام عائد کر دیا جن کا اسلام اور نیکی مشہور ومعروف ہیں اور بغیر ثبوت کے"۔ میں واپس ہوگیا' لیکن میری حالت یہ تھی کہ میں یہ کہہ رہا تھا کہ اگر میری تمام دولت چلی جاتی اور میں حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

سے بات نہ کرتا تو کہتا اچھا ہوتا۔ اس پر میرے چچا رعافہ آئے تو مجھے کہا بھتیجے ! یہ تو نے کیا کیا؟ تو میں نے اسے یہ بات بتائی جو حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے کہی تھی تو رفاعہ نے کہا اللہ ہی مددگار ہے۔ اس پر زیادہ وقت نہ گزرا کہ یہ آیات نازل ہوئیں۔

(آیت) "انا انزلنا الیک الکتب بالحق لتحکم بین الناس بما ارک اللہ ولا تکن للخائنین خصیما"۔ (۴ : ۱۰۵) "یعنی آپ بنی ابیرق کے لیے وکیل صفائی نہ بنیں۔ "خصیم" کے معنی وکیل' دفاع کرنے والے اور کسی کی جانب سے مجادلہ اور مباحثہ کرنے والے کے ہوتے ہیں۔ آپ نے قتادہ (رض) کو جو کہا اس سے اللہ کی مغفرت طلب کریں' بیشک اللہ غفور الرحیم ہے۔ مزید یہ آیات۔ (ولا تجادل) سے (رحیما) تک۔۔ اگر وہ معافی چاہتے تو اللہ ان کو معاف کر دیتا۔۔ اسی طرح (ومن یکسب) سے (اثما مبینا) تک اور (ولولا فضل اللہ) سے (اجرا عظیما) تک۔۔ جب یہ آیات نازل ہوئیں تو حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) زرہ لے کر آئے اور رفاعہ کو دے دی۔ قتادہ کہتے ہیں کہ جب میرے چچا کے پاس زرہ پہنچی۔ وہ بوڑھے تھے اور جاہلیت ہی میں ان کی نظر ختم ہو گئی تھی۔ میں یہ سمجھتا تھا کہ وہ مجبور ہو کر مسلمان ہو گئے ہیں۔ جب میں نے ان کو زرہ دی تو انھوں نے یہ اللہ کی راہ میں ہو گئی۔ یہاں سے مجھے یقین ہو گیا کہ وہ صحیح طرح مسلمان تھے۔ جب یہ آیات نازل ہوئیں تو بشیر (چور) مشرکین کے ساتھ مل گیا۔ اس پر مزید آیات کا نزول ہوا۔

(آیت) "۔ ومن یشاقق الرسول من بعد ما تبین لہ الھدی ویتبع غیر سبیل المؤمنین نولہ ما تولی ونصلہ جھنم وسآءت مصیرا (۱۱۵) ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر ما دون ذلک لمن یشآء ومن یشرک باللہ فقد ضل ضلا بعیدا" (۱۱۶) (۴ : ۱۱۵۔ ۱۱۶)

مسئلہ : صرف یہ نہ تھا کہ ایک بے گناہ بری کر دیا گیا جس پر سازش کی وجہ سے الزام لگایا تھا اگرچہ اللہ کے ہاں کسی بے گناہ کا بری کرنا بھی ایک عظیم مسئلہ ہے' مسئلہ تو اس سے بھی بڑا اور اہم تھا۔ یعنی انصاف کی ترازو کو بالکل برابر کرنا مطلوب تھا کہ ہو کسی ایک طرف جھک نہ جائے۔ نہ نفسانی خواہشات کی طرف اور نہ عصبیت کی وجہ سے۔ نہ دوستی اور دشمنی کی وجہ سے' میزان عدل میں کسی بھی طرح جھکاؤ نہ آ جائے۔ غرض جو حالات بھی ہوں' انصاف ہو اور بے لاگ ہو۔

مسئلہ یہ تھا کہ اس جدید معاشرے کو تمام آلائشوں سے پاک کر دیا جائے اور اس کے اندر سے جاہلیت اور عصبیت کے باقی ماندہ آثار کو بھی مٹا دیا جائے چاہے یہ آثار جس شکل و صورت میں بھی ہوں۔ خصوصا جبکہ ان کا تعلق عوام الناس کے مسئلہ عدل سے ہو۔ اس کے بعد ایک ایسے معاشرے کی بنیاد رکھی جانی تھی جو بالکل منفرد ہو اور پوری تاریخ انسانی میں بے مثال ہو۔ یہ بنیاد بالکل پاک و صاف اور مستحکم اصولوں پر رکھنی تھی۔ جن میں تعصب' ذاتی رجحان' وقتی مصلحتوں اور ذاتی خواہشات کا کوئی دخل نہ ہو۔

اس مقدمے میں بیشمار اسباب موجود تھے جن کی وجہ سے مجرموں کے ساتھ نرمی کی جاسکتی تھی یا کم از کم ان کے بارے میں یہ آیات نازل نہ ہوتیں اور ان پر تنقید نہ کی جاتی۔ ان کو اس طرح سر عام رسوانہ کیا جاتا یا ان کی سر عام پردہ دری نہ کی جاتی۔

پہلی وجہ تو یہ ہو سکتی تھی کہ اس مقدمے میں پہلا ملزم یہودی تھا اور یہودی وہ لوگ تھے کہ ان کے ترکش کا ہر تیر اسلام کے خلاف استعمال ہوتا تھا۔ یہودی وہ لوگ تھے کہ اس زمانے میں مسلمانوں کو ان کی جانب سے تلخ ترین اذیتیں دی جاتی تھیں اور خدا کا کرنا ایسا ہے کہ ہر دور میں وہ مسلمانوں کے خلاف نیش زنی کرتے رہتے ہیں۔ پھر یہودیوں کا نظریہ یہ تھا کہ ہو نہ کسی کا حق تسلیم کرتے تھے' نہ کسی کے ساتھ عدل وانصاف کرتے تھے۔ ان کی حالت یہ تھی کہ ان کے ہاں کوئی اخلاقی قدر بھی نہ تھی اور مسلمانوں کے ساتھ معاملہ کرنے میں تو وہ کسی اخلاقی اصول کے قائل ہی نہ تھے۔

ایک سبب یہ بھی تھا کہ اصل ملزم انصاری تھے اور انصار وہ لوگ تھے جنہوں نے حضور کو پناہ دی اور آپ کی نصرت کی۔ پھر انصار کے بعض گھرانوں کے درمیان جاہلیت سے دشمنیاں چلی آرہی تھیں اور جس طرح الزام اور تفتیش کا رخ یہودیوں کی طرف مڑ گیا تھا اس وقت ان تحقیقات کو یہاں سے ڈراپ کر کے اہل اسلام کی صفوں کے درمیان انتشار سے بچا جاسکتا تھا۔

ایک تیسرا جواز یہ بھی تھا کہ اس طرح یہودیوں کے ہاتھ میں انصار کو ورغلانے کی خاطر ایک نیا ہتھیار آرہا تھا۔ یہ کہ انصار اور مسلمان ایک دوسرے کی بھی چوریاں کرتے ہیں اور پھر یہودیوں پر الزام دھرتے ہیں۔ یہودی اس واقعہ کو بھی اسلام کے خلاف استعمال کر سکتے تھے۔

لیکن یہ معاملہ ان معمولی باتوں کی نسبت بہت زیادہ اہمیت رکھتا تھا' ان تمام خدشات اور اعتبارات سے یہ معاملہ بہت اہم اور بلند تھا۔ یہ باتیں اسلامی نقطہ نظر سے اہمیت نہ رکھتی تھیں۔ اسلام کے پیش نظر یہ مقصد تھا کہ اس جماعت کو اس قدر تربیت دی جائے کہ وہ نظام خلافت ارضی اور منصب قیادت بشری کے لیے تیار ہو جائے۔ یہ امت پوری انسانیت کی قیادت اور پورے کرہ ارض پر خلافت کے لیے اس وقت تک تیار نہیں ہو سکتی تھی جب تک اس کی تربیت نہایت ہی مستحکم اور برتر اصولوں پر نہ کی جائے جب تک اسلامی نظام زندگی کے اصول اس کی زندگی کا جزء نہ بن جائیں اس کے وجود کو پوری طرح دھو کر اور نچوڑ کر پاک وصاف نہ کر دیا جائے اور اسے ہر قسم کی انسانی کمزوریوں سے پاک نہ کر دیا جائے' جو جاہلیت کے دور سے اس کی شخصیت کا جزء تھیں۔ نیز جب تک خود اس امت کے درمیان پختہ نظام عدل قائم نہ کر دیا جائے تاکہ وہ اس کے مطابق تمام لوگوں کے درمیان انصاف کریں۔ اور ان کا یہ انصاف اور ان کی یہ عدالت تمام انسانی کمزوریوں سے پاک ہو اور وہ تمام ظاہری مصلحتوں سے صرف نظر کرنے کے قابل ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ نے ایسے حالات میں اور اس مشکل ترین مرحلے میں ایک یہودی کے واقعہ کے ذریعے امت مسلمہ کو عدل وانصاف کے راستے پر ڈالا ایسے حالات میں کہ اس دور میں مسلمان یہودیوں کی جانب سے بیشمار ریشہ دوانیوں کا شکار تھے اور وہ پورے عالم عرب میں مسلمانوں کے خلاف محاذ بنانے میں بھی مصروف تھے۔ مدینہ کے منافقین کے بھی معاون و مددگار تھے' اور وہ دین اسلام کے خلاف اپنے ترکش کا ہر تیر استعمال کر رہے تھے اور اس کے خلاف ہر سازش کر رہے تھے۔ مسلمانان مدینہ کے لیے مدینہ میں نہایت ہی خطرناک حالات تھے جہاں وہ دشمنیوں اور سازشوں میں گھرے ہوئے تھے اور یہ سب سازشیں یہودیوں کی طرف سے تھیں۔ اللہ نے ان حالات میں اپنے بندوں کو ہدایت دینے اور نشان راہ متعین کرنے کے لیے ایک یہودی کو چنا۔

ان حالات میں ایک یہودی کا انتخاب اس لیے کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ جماعت مسلمہ کو یہ سمجھا سکے کہ عدل کا معیار کیا ہے اور اللہ تعالیٰ اس امت کو جو سکھانا چاہتے تھے وہ سکھائے۔ لہٰذا اس معاملے میں اللہ کی پالیسی میں کوئی سیاست' کوئی نام نہاد دانشوری اور کوئی زبانی ہیر پھیر نہ تھا۔ اور لیپاپوتی اور واقعات کو چھپانے کی مہارت سے بھی کام نہ لیا گیا اور صاف صاف بات کی گئی۔

اس مقدمے کے فیصلے میں تمام مصلحتوں کو بالائے طاق رکھ دیا گیا اور تمام ظروف واحوال سے صرف نظر کیا گیا۔

معاملہ نہایت ہی حقیقت پسندانہ اور سنجیدہ تھا۔ اس میں کسی قسم کی ملمع کاری اور لیپاپوتی نہ تھی۔ حقیقت پسندی اسلامی نظام زندگی کی خصوصیات میں سے اہم خصوصیت ہے اور اس امت کے اوصاف میں سے یہ ایک اہم وصف ہے۔ یہ اس امت کے مقاصد میں شامل ہے کہ وہ لوگوں عدل پھیلائے اور عدل کو اس معیار پر پہنچادے جہاں تک کبھی انسانیت نہ پہنچی اور صرف اللہ کی جانب سے وحی اور ہدایت ہی کے نتیجے میں یہ امت یہاں تک پہنچی۔

جب انسان اس مقام بلند تک پہنچا تو اس نے دیکھا کہ تاریخ کے تمام ازمنہ اور ادوار میں انسانی پستیوں کے گہرے گڑھے میں پڑے ہیں۔ اس نے دیکھا کہ اس مقام بلند تک پہنچنے کی راہ میں نہایت ہی گہری گھائیاں ہیں۔ اس راہ میں جگہ جگہ چالاکیاں' ظاہر داریاں' سیاست' عیاری' بلاغت' مہارت' حکومت کی مصلحت' ملک کی مصلحت اور پارٹی کی مصلحت وغیرہ کی بے پناہ رکاوٹیں ہیں جو مختلف ناموں اور مختلف عنوانوں کے ساتھ عدل وانصاف کی راہ روکے کھڑی ہیں۔ اور اگر اس بلندی سے انسان تمام نظامہائے زندگی کو دقت نظر سے دیکھے تو اسے دنیا میں گندگی ہی گندگی نظر آئے۔

اس بلندی سے انسان جب نگاہ ڈالتا ہے تو اسے نظر آتا ہے کہ امت مسلمہ اس میدان میں یکہ و تنہا نظر آتی ہے۔ جو زندگی کی ان غلاظتوں سے بلند ہو کر اس پاکیزہ مقام تک پہنچی ہے اور صرف امت مسلمہ کے لینڈ مارک شاہراہ تاریخ میں جگہ جگہ نظر آتے ہیں اور عدل و انصاف کی اس بلند چوٹی تک پہنچنے کے لیے صرف امت مسلمہ نے راہیں متعین کی ہیں اور وہ اس میدان میں منفرد ہے۔

رہی وہ گندگی اور وہ تعفن جسے جاہلیت قدیمہ اور جاہلیت جدیدہ میں عدالت کا نام دیا جاتا ہے تو مناسب یہی ہے کہ ہم اس گندگی کو دبی رہنے دیں کیونکہ اس پاکیزہ ماحول کو اس کا تعفن گندہ کر دے گا اور ہر طرف بدبو پھیل جائے گی۔

مناسب ہے کہ اب ہم آیات پر ذرا تفصیل سے بات کریں۔

: درس نمبر ۳۹ تشریح آیات

۱۰۵۔۔تا۔۔ ۱۱۳۔

(آیت) " نمبر ۱۰۵ تا ۱۱۳۔

بات نہات ہی سختی سے کہی جارہی ہے' یوں نظر آتا ہے کہ سچائی کے حق میں غیض و غضب سے کام لیا جارہا ہے اور عدل قائم کرنے کے (A لیے سخت غیرت کا اظہار کیا جارہا ہے اور جذبات' بات کے ماحول اور فضا سے ظاہر ہو رہے ہیں۔

اس کا اظہار اس بات سے بھی ہو رہا ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مخاطب کر کے کہا جاتا ہے کہ ہم نے یہ کتاب سچائی کے ساتھ نازل کی تاکہ آپ لوگوں کے درمیان اللہ کی اس کتاب کے مطابق فیصلے کریں۔ آپ کو سختی سے منع کیا گیا کہ آپ خائن لوگوں کے طرفدار نہ ہو جائیں اور نہ ان کی جانب سے دفاع کریں اور آپ نے جو مجادلہ ان خائن لوگوں کی طرف سے کیا ہے اس پر اللہ سے مغفرت طلب کریں۔

(آیت) " انا انزلنا الیک الکتب بالحق لتحکم بین الناس بما اراک اللہ ولا تکن للخائنین خصیما (۱۰۵) واستغفر اللہ ان اللہ کان غفورا رحیما (۱۰۶) (۴ : ۱۰۵۔۱۰۶)

اے نبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ تمہاری طرف نازل کی ہے' تاکہ جو راہ راست اللہ نے تمہیں دکھائی ہے) اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو' تم بددیانت لوگوں کی طرف سے جھگڑنے والے نہ بنو'۔ اور اللہ سے درگزر کی درخواست کرو' وہ A بڑا درگزر فرمانے والا اور رحیم ہے۔

اس کے بعد اس ممانعت کو دوبارہ مکرر بیان کیا جاتا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ جن لوگوں کی طرف سے آپ نے خصومت کی وہ اپنے آپ سے خیانت کر رہے ہیں اور وجہ یہ ہے کہ چونکہ یہ خائن ہیں اور اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

(آیت) "ولا تجادل عن الذین یختانون انفسھم ان اللہ لایحب من کان خوانا اثیما (۴ : ۱۰۷) (جو لوگ اپنے نفس سے خیانت کرتے ہی تم ان کی حمایت نہ کرو' اللہ کو ایسا شخص پسند نہیں ہے جو خیانت کار اور معصیت پیشہ ہو۔)

بظاہر تو انھوں نے دوسرے لوگوں کے ساتھ خیانت کی تھی لیکن در حقیقت وہ اپنے ساتھ خیانت کر رہے تھے۔ انھوں نے اپنی جماعت اور اپنے نظام کے خلاف خیانت کی۔ اپنے اصولوں اور ان کی ممتاز حیثیت کے خلاف خیانت کی' انھوں نے اس امت کے خلاف خیانت کی جس کے وہ بھی افراد تھے۔۔ پھر ایک دوسرے پہلو سے بھی وہ اپنے نفس کے خلاف خیانت کر رہے تھے۔ وہ اپنے نفوس کو ایسے جرم میں ملوث کر رہے تھے جس کی سزا بہت ہی سخت تھی۔ جہاں اللہ انھیں مجبور کرے گا اور پکڑ کر سزا دے گا۔ ظاہر ہے کہ یہ اپنے نفس کے خلاف بھی خیانت ہے۔ ایک تیسری صورت یہ ہے کہ وہ اپنے ضمیر کو جھوٹ کہہ کر اور جرم کر کے خیانت میں ملوث کر رہے تھے۔

(آیت) "ان اللہ لایحب من کان خوانا اثیما"۔ (۴ : ۱۰۷) (اللہ کو ایسا شخص پسند نہیں ہے جو خیانت کار اور معصیت پیشہ ہو) اور اللہ کی ناپسندیدگی تمام سزاؤں میں سے بڑی سزا ہے۔ اس کے اندر ایک دوسرا اشارہ بھی ہے' کہ جو لوگ اللہ کے محبوب نہیں' چاہیے کہ کوئی ان کی حمایت نہ کرے۔ کوئی ان کی وکالت نہ کرے' اس لیے کہ ارتکاب جرم کرنے کی وجہ سے اللہ نے انھیں ناپسند کر لیا ہے۔ ان لوگوں کو خیانت کار اور معصیت پیشہ کہنے کے بعد اب ان کی تصویر کشی اس طرح کی جاتی ہے اور ان کا پردہ یوں چاک ہوتا ہے :

(آیت) "یستخفون من الناس ولا یستخفون من اللہ وھو معھم اذ یبیتون مالا یرضی من القول۔۔"۔ (۴ : ۱۰۸) (یہ لوگ انسانوں سے اپنی حرکات چھپا سکتے ہیں مگر خدا سے نہیں چھپا سکتے' وہ تو اس وقت بھی ان کے ساتھ ہوتا ہے جب یہ راتوں کو چھپ کر اس کی مرضی کے خلاف مشورے کرتے ہیں)

ان کی یہ تصویر نہایت ہی کریہہ المنظر ہے۔ اس پر انسان کو بے اختیار ہنسی آتی ہے۔ اس میں ان کی کمزوری اور سازش صاف صاف نظر آتی ہے ۔ یہ راتوں کو جمع ہوتے اور اپنا جرم چھپانے کی سازشیں کرتے ہیں اور خیانت کا ارتکاب کرتے ہیں۔ لوگوں سے یہ اپنا جرم چھپا سکتے مگر اللہ سے نہیں چھپا سکتے۔ لوگوں سے چھپنا کوئی معنی نہیں رکھتا کیونکہ لوگ تو انھیں نفع و نقصان سے نہی بچا سکتے۔ اور جو ذات نفع و نقصان کی مالک ہے اس سے وہ چھپ نہیں سکتے۔ وہ تو ان کے ساتھ ہوتی ہے جب وہ سازشیں کرتے ہیں۔ وہ ان کے ظاہر و باطن سے واقف ہے۔ وہ ملمع کاری

کرتے ہیں اور اللہ کی مرضی کے خلاف باتیں کرتے ہیں۔ ان کا موقف کیسا بودا ہے کہ جس سے چھپاتے ہیں اس سے تو چھپ نہیں سکتے۔ کیوں ؟اس لیے کہ

(آیت) "وکان اللہ بما یعملون محیطا"۔ (۴ : ۱۰۸) (ان کے سارے اعمال پر اللہ محیط ہے) اگر اللہ مطلقاً تمام اعمال کا احاطہ کئے ہوئے ہے تو وہ جو رات کو خفیہ سازشیں کرتے ہیں ان کا کیا فائدہ ہوگا۔ اللہ تو اس مجلس میں ان کے ساتھ ہوتا ہے ہر چیز اس کی نظر میں ہے اور اس کے قبضے میں ہے۔ اور یہ غضبناک حملہ ابھی جاری ہے اور اس کا اطلاق ان تمام لوگوں پر ہوتا ہے جو خائن لوگوں اور مجرموں کی طرف سے مجادلہ کرتے ہیں۔

(آیت) "ھانتم ھولآء جدلتم عنھم فی الحیوۃ الدنیا فمن یجادل اللہ عنھم یوم القیمۃ ام من یکون علیھم وکیلا"۔ (۴ : ۱۰۹) (ہاں تم لوگوں نے ان مجرموں کی طرف سے دنیا کی زندگی میں تو جھگڑا کر لیا' مگر قیامت کے روز ان کے لیے اللہ سے کون جھگڑا کرے گا؟ آخر وہاں کون ان کا وکیل ہوگا؟ اس بھاری دن سے تو وہ ہرگز نہ بچ سکیں گے۔)

خائنوں اور معصیت پیشہ لوگوں پر اس حملے کے بعد اور ان کے حامیوں' مجادلوں اور وکیلوں کی مذمت کرنے کے بعد اب اس برے فعل کے بارے میں اور اس کے نتائج کے بارے میں اصولی بات کی جاتی ہے۔ اس کا حساب و کتاب آخرت میں کیا ہوگا اور اس کی عمومی سزا کیا ہونا چاہیے اور اللہ تعالیٰ ایسے مجرموں کے ساتھ کیا معاملہ فرماتے ہیں اور پھر یہ کہ جو معاملہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں تم بھی مجرموں اور ایک دوسرے کے ساتھ ایسا ہی سلوک روا رکھو اور اللہ کے بتائے ہوئے اخلاق اپناؤ خصوصاً عدل و انصاف کے معاملے میں۔